سیّدہ ارم جبیں ❋

کلامِ ظفر علی خان میں عصری تلمیحات: تحقیقی جائزہ

A Research review of contemporary allusions in the verses of Maulana Zafar Ali Khan

By *Syeda Irum Jabeen, PhD Scholar, Department of Urdu, Sindh University, Jamshoro.*

ABSTRACT

Maulana Zafar Ali Khan (January 17, 1874 - November 27, 1956) is a prominent personality of twentieth-century in Urdu literature. As a poet, writer, journalist, commentator, translator and intellectual figure, Maulana Zafar Ali khan's name has been taken as a unique reference. He is one of the renowned Poet of twentieth century whose poetry is a beautiful combination of ancient and modern allusions. This dissertation is based on a research study of the allusions in the poetry of Baba-e-Sahafat Maulana Zafar Ali Khan. The first part of article partially has defined the definition of allusion (talmeh) and changes in the definition of 'talmeh'as a literary term in modern era. Afterwards has been taken some contemporary references (talmeh) from the poetry collection of maulana Zafr Ali Khan's era. This article is mainly an analysis of the allusions from the verses of Maulana Zafar Ali Khan, in the context of the first fifty years of twentieth century.

Keywords: Twentieth century, Maulana Zafar Ali Khan, Poet, Allusion, Contemporary allusions in the verses of Maulana Zafar Ali Khan.

مولانا ظفر علی خان (۱۹۵۶ء۔ ۱۸۷۴ء) کا شمار ان جیّد شعرا میں ہوتا ہے جن کا کلام بیسویں صدی کے ابتدائی نصف پر محیط ہے۔ بیسویں صدی جو حوادث و واقعات کی صدی رہی، اسے سیاسی بصیرت اور عوامی بیداری کا دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا قیامِ پاکستان کی اس ۵۰ سالہ تاریخ میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہے جو دنیاوی

❋ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نقشے میں نمایاں تبدیلیاں لے کر آئے۔ سلطنتِ عثمانیہ کا شیرازہ بھی اسی نصف صدی میں بکھرا۔ دو عظیم جنگیں، نئے ورلڈ آرڈر کا نفاذ، جنگِ بلقان و جنگِ طرابلس، نئی تحریکوں اور سیاسی جماعتوں کا جنم لینا یہ سب ایسے واقعات تھے جس نے ادبا و شعرا کے فکر و اذہان کو تیزی سے متاثر کیا۔ جدید دورِ شاعری میں جہاں قدامتی سانچوں اور قدیم زاویہ فکر سے انحراف کی ایک فضا نے جنم لیا اور گل و بلبل کے افسانوں سے ہٹ کر انسانی زندگی اور اس کے عصری مسائل موضوع کلام بنے وہی شاعری کے صنائعی نظام میں بھی تجربات کیے گئے۔ کلاسیکی شاعری میں رائج تصورات کو نئے نئے زاویوں سے پرکھنے کی روایت کا آغاز ہوا اور تعبیر و تفہیم کے نئے در وا ہوئے، بالخصوص تلمیحات و اصطلاحات کے ضمن میں نئے تجربات کرتے ہوئے جدید و قدیم کے آہنگ سے عصری تلمیحات کو جدّت کا رنگ دیا گیا۔ بیسویں صدی کے شعرا کے کلام میں جس قدر عصری تلمیحات کا ذخیرہ ملتا ہے اس سے قبل ماسوا اکبر الہ آبادی (۱۹۳۱ء۔۱۸۴۶ء) کے اردو شاعری میں شاذ نظر آتا ہے۔ اکبر الہ آبادی اس لحاظ سے وہ پہلے شاعر رہے جنھوں نے اپنے دور کے واقعات کو اپنے کلام میں بیان کرنے کی باقاعدہ روایت ڈالی اور ان کا ذکر ان کے کلام میں متواتر نظر بھی آتا ہے۔ اکبر الہ آبادی کے ساتھ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال (۱۹۳۸ء۔۱۸۷۷ء) کے یہاں بھی 'عصری تلمیحات' کا بیان پوری شدت سے ملتا ہے۔ اسی دور کی ایک اور شخصیت مولانا ظفر علی خان (۱۹۵۶ء۔۱۸۷۴ء) کی بھی تھی۔ مولانا ظفر علی خان کی ذہنی اور فکری نمو علی گڑھ کی علمی فضا میں ہوئی۔ بیسویں صدی کے انقلابی دور اور ان کی سیمابی طبیعت کے امتزاج نے انھیں صحافت و سیاست میں جہاں ایک بے باک و نڈر صحافی اور حریت پسند انقلابی رہنما کے طور پر پیش کیا، وہیں ان کی شاعری بھی انھی صفات سے مزیّن ہے۔ اس ضمن میں جب مولانا کی شاعری میں عصری تلمیحات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی شاعری میں زیادہ تر تلمیحات و شخصیات اُسی دور کی رہی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تسمیہ ان کا صحافی ہونا بھی تھا۔ صحافیانہ ضرورتوں کے تحت بھی انھوں نے کئی سیاسی واقعات کو تلمیح کے دھاگے میں پرو کر نئے انداز میں برتا ہے۔ تلمیح جس کے لیے انگریزی میں allusion اور ہندی اور سنسکرت میں ''انتر کتھا''، ''سندر بھ'' اور ''سنکیت'' جیسے الفاظ مستعمل ہیں، ایسی معنوی صنعت ہے جس میں ایک لطیف اشارے میں تفصیلی موضوعات کو ایک یا دو الفاظ کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ تلمیح (تل+میح) دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ (ل۔م۔ح) ہے معنی کے لحاظ سے اس لفظ سے مراد: ''دزدیدہ نظر سے دیکھنا / اچٹتی ہوئی نظر ڈالنا،[۱] سبک نگاہ کرنا،[۲] نظر و خیال و تصور،''[۳] ہے لیکن علمِ بیان (لغت نامہ دہخدا[۴] میں اسے ''علمِ بدیع'' کے ضمن میں شامل کیا گیا ہے) کی اصطلاح میں یہ ایک معنوی صنعت ہے جس میں ثقیل موضوعات کو اس طرح ایک لفظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ بغیر محل وقوع اور تاریخ پر نظر رکھے ان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

واقعات کی گہرائی تک پہنچا نہیں جا سکتا۔ کلام میں فصاحت و بلاغت اور اس کے حسن و تاثریت میں اضافہ کرنے کے لیے شعرا اکثر و بیشتر اس صنعت کا استعمال کرتے آئے ہیں۔ تلمیح کی جو تعریفیں عموماً لغات و تاریخی کتب میں ملتی ہیں تمام میں تقریباً یکسانیت کا پہلو نمایاں ہے۔ یعنی تلمیح سے مراد کسی خاص واقعے/ قصے/ اصطلاح اور مثل کی طرف کلام میں اشارہ کرنا ہے۔ بعض تعریفوں میں ''تاریخی'' واقعات/قصص پر زور رہا ہے۔ ڈاکٹر خورشید اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> لفظ تاریخی واقعے نے تلمیح کے کردار کو نہ صرف محدود کر دیا ہے بلکہ اس کی فعالیت پر بھی سوالیہ نشان لگایا ہے... نیز بلاغت کے اصولوں کے مطابق تلمیح میں ماضی یعنی تاریخ کی حد بندی اس صنعت میں وضع کاری کے عمل کو متاثر کرتی ہے... تلمیح کا تعلق محض گزرے ہوئے وقت سے وابستہ نہیں ہے۔ زبان کی فصاحت کے لیے تلمیحات کا جواز از بس ضروری ہے۔[۵]

ادب کا کام ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہنا ہے۔ دنیا کے ہر ادب میں تبدیلی ہمیشہ تب ہی نظر آتی ہے جب جمود کے مسلسل سلسلے کو توڑا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے ہر ادب میں وقت کے ساتھ تعریفوں میں ردوبدل، اضافہ اور تحریفات کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ چاہے کوئی ادب ہو یا فن جدّت کے ساتھ اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہاں مختصراً تلمیح کی تعریفات میں ہونے والی چند تبدیلیوں اضافوں کا بیان پیشِ خدمت ہے۔

پروفیسر انور جمال نے ادبی اصطلاحات[۶] میں تلمیح کی تعریف میں تاریخی کے ساتھ مذہبی/معاشرتی واقعے کا اضافہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے تنقیدی اصطلاحات[۷] میں تلمیح کی تعریف میں ''شخصیت'' کا اضافہ کیا ہے اسی طرح ڈاکٹر گوپی چند نارنگ[۸] نے جو تلمیح کی تعریف بیان کی ہے اس میں تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ دیومالائی قصّوں، لوک روایات، رزمیوں، کلاسیکی شعرا کی طویل نظموں اور قدیم ناٹکوں کو بھی تلمیحات کا درجہ دیا ہے۔ ڈاکٹر مزمل حسین[۹] نے تلمیح کی جو تعریف بیان کی ہے اس میں شخص، چیز، جگہ اور فنّی اصطلاح کے ساتھ روایت کا اضافہ کیا ہے۔ یہ تعریفیں جدید زاویہ نظر کے تحت تلمیح کی تعریف میں ''جدید اضافہ'' تصور کی جا سکتی ہیں۔ اس انداز سے دیکھا جائے تو تلمیح ایسی شاعرانہ اور معنوی صنعت ہے جس میں شاعر نہ صرف تاریخی، اپنے اطراف ہونے والے عصری واقعات ان سے متعلقہ شخصیات، تہذیبی روایات و امثال، مسائل اور اصطلاحاتِ علمی و فنّی کو مخصوص اشاراتی انداز میں بیان کرے جس میں قدیم یا عصری واقعے سے ایک نیا مضمون پیدا کیا جا سکے تلمیح کا درجہ رکھتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔ تلمیح کی یہ تعریف بھی ایک مکمل اور جامع تعریف نہیں کہی جا سکتی۔ یقیناً وقت کے ساتھ تلمیح کی تعریفات مزید جامعیت اور وسعت کے ساتھ وضع کی جائیں گی۔

ظفر علی خان اور عصری تلمیحات

اگر ہم بیسویں صدی میں شعرا کے کلام میں تلمیحات کا جائزہ لیں تو ان کے یہاں ''عصری تلمیحات'' کا ذکر نمایاں نظر آتا ہے۔ مولانا ظفر علی خان شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صحافت کے میدان کے بھی مردِ حر تھے۔ اسی باعث ان کی شعلہ جو طبیعت کا اثر شاعری اور نثر دونوں میں نمایاں رہا۔ اہلِ علم و فکر کی نظر میں مولانا کا کلام یقیناً ہنگامی نوعیت کا ہے جو صحافیانہ نقطہ نظر کے تحت ضابطہ تحریر میں لایا گیا لیکن واقعات و سانحات کے ضمن میں مولانا ظفر علی خان کے کلام کی اپنی ایک انفرادیت ہے۔ یہاں مولانا ظفر علی خان کے کلام سے چند عصری تلمیحات کا جائزہ لیتے ہیں؛

حکومت جن دنوں پنجاب میں تھی مارشل لا کی
تو قابل دید کے تھی اوڈوائر کی غضب ناکی[(۱۰)]

مذکورہ شعر میں مولانا ظفر علی خان نے ۱۹۱۹ء میں پیش آنے والے مشہور جلیانوالہ باغ کے واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے۔ جب برطانوی افسر ریگنالڈ ایڈورڈ ہیری ڈائر (Reginald Edward Harry Dyer) (۱۹۲۷ء۔ ۱۸۶۴ء) کو امرتسر میں ہونے والے اس جلسے کو روکنے کا حکم نامہ جاری ہوا تھا جہاں اس نے بغیر انتباہ کے فائرنگ کا حکم دیا۔ اس غیر متوقع حملے میں برطانوی فوج کی جانب سے نہتے عوام پر ''۲۵۰ راؤنڈ استعمال کیے گئے جس کے نتیجے میں ۳۷۹ افراد لقمۂ اجل بنے اور ۱۲۰۰ زخمی ہوئے۔''[(۱۱)] ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا خونین واقعہ تھا جس پر پورے ہندوستان میں احتجاج کیا گیا۔ اس واقعے کے بعد جنرل ڈائر نے ''کرالنگ آرڈر'' سمیت کئی سخت احکامات بھی جاری کیے۔ مولانا نے اس واقعے کو ایک اور شعر میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

میں نے امرتسر میں اک دن اپنے خواجہ[(۱۲)] سے کہا
پیٹ کے بل رینگ لیجے بندہ پرور آپ بھی[(۱۳)]

اس واقعے کی تحقیقات کے لیے حکومتِ ہند نے لارڈ ہنٹر کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس پر مولانا ظفر علی خان کے قلم نے یوں خامہ فرسائی کی:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ولایت میں کھلا جب نامہ اعمال ڈائر کا
طرز نامہ تھا نامی گرامی او ڈو ایئر کا(۱۴)

مائیکل فرانسز اوڈوائیر (Michael Francis O'dwyer, 1864-1940) (۱۸۶۴ء۔ ۱۹۴۰ء)، ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۹ء تک لیفٹیننٹ گورنر پنجاب رہے۔ ان ہی کے حکم پر امرتسر میں مارشل لا لگایا گیا تھا۔ اسی واقعے کو مولانا نے جدید و قدیم امتزاجِ تلمیح کے ساتھ یوں بیان کیا:

ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں
بچارے نے نہتوں پر دیا کب حکم فائر کا(۱۵)

صحافی ہونے کی حیثیت سے بھی مولانا ظفر علی خان کے یہاں زیادہ تر تلمیحات حالات حاضرہ اور سیاسی واقعات سے اخذ کردہ ہیں جیسے یہ شعر ملاحظہ ہو:

آمد آمد سن کے انور کی کناوا نے کہا
کانپتے ہیں جس سے ہم وہ شہسوار آنے کو ہے(۱۶)

مذکورہ شعر میں اشارہ جنگِ بلقان (۱۹۱۲ء۔۱۹۱۱ء) کے دو اہم کردار، ترک فوج کے کمانڈر اور رہنما انور بے پاشا (۱۹۲۲ء۔۱۸۸۱ء) اور اطالوی بحری فوج کے کمانڈر کارلو کناوا (carlo canava) کی جانب ہے۔ ۱۹۱۲ء میں کرنل کناوا کو اطالوی بحری فوج کی سربراہی کی کمان دے کر طرابلس و بلقان کے ساحلی علاقے سپرد کیے گئے تھے۔ ستمبر ۱۹۱۱ء میں جس وقت اطالیہ نے طرابلس الغرب پر حملہ کیا اس وقت انور بے برلن میں ترک سفارت خانے میں فوجی اتاشی کے عہدے پر فائز تھے۔ حکومتی علاقے سے دور ہونے کے باعث ترک فوج کو براہ راست کمک پہنچانا ایک دشوار گزار عمل تھا۔ چوں کہ یہ راستہ مصر سے ہو کر جاتا تھا اور ترک فوج کی برطانیہ کی جانب سے مصر میں داخلے پر پابندی تھی۔ اس مشکل وقت میں انور بے نے جنگی حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے فداکاران کے ساتھ طرابلس میں داخل ہو کر مقامی نوجوانوں کو تربیت دی اور طرابلس کا دفاع کرتے ہوئے یورشوں کا سلسلہ شروع کیا جس پر اٹلی کو بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا نے ایک اور مقام پر اس واقعاتی تلمیح کو یوں بیان کیا ہے:

ہوئی پتلون ڈھیلی آبری(۱۷) کی
دیا گھوڑے کو جب انور نے کا وا(۱۸)

اسی انداز پر ایک اور عصری تلمیح ملاحظہ ہو:

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

بخارا دور ہے باکو ہے نزدیک اس لیے ریوٹر
نہیں انور جو ہاتھ آئیبرس پڑتا ہے نوری پر[(۱۹)]

مذکورہ شعر میں آذربائیجان میں تعینات عثمانی فوج کے کمانڈر اور وزیرِ جنگ نوری پاشا (۱۹۴۹ء-۱۸۸۹ء) کا باکو میں مخالفین کے خلاف جنگی حملوں کا ذکر ہے۔انھوں نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران ۱۹۱۸ء میں آذربائیجان میں کمانڈر کے طور پر اپنی خدمات انجام دیں''ریوٹر لندن کی نیوز ایجنسی تھی جو پال جولیس ریوٹر کے نام سے ۱۸۵۱ء میں قائم ہوئی''[(۲۰)] ایک اور عصری تلمیح دیکھیے جس میں فارسی ضرب المثل ''بہ آب و رنگ و خال وخط، چہ حاجت روی زیبا را'' کا اشارہ بھی ہے:

عروسِ دولتِ کابل کو ہو مُشّاطہ کی حاجت
تو استنبول سے افشاں کے چننے کو جمال آئے[(۲۱)]

مذکورہ تلمیح میں ترک عسکری رہنما احمد جمال پاشا(۱۹۲۲ء-۱۸۷۲ء) کا ذکر ہے۔''۲۳رجنوری ۱۹۱۳ء کے اتحاد وترقی کے سیاسی انقلاب کے بعد استنبول کی فوجی قیادت ان کے سپرد کی گئی تھی۔''[(۲۲)] یہاں اشارہ دیا گیا ہے جب ۱۹۲۰ء میں جمال پاشا کو وسطی ایشیا میں افغان فوج کی تربیت کے لیے افغانستان بھیجا گیا مولانا نے جمال کی نسبت سے عروسِ مُشّاطہ(دلہن کو سنوارنے والی خاتون) اور افشاں جیسے الفاظ استعمال کر کے شعر کے حسن و لطافت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔مولانا ظفر علی خان کا یہ بھی خاص کمالِ فن رہا ہے کہ انھوں نے ''مقامی عصری'' واقعات کو اشعار میں سمو دیا ہے۔کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ تروتازہ ہیں لیکن بعض مقامی واقعات وشخصیات وقت کی گرد میں محو ہو چکی ہیں اور تلاش بسیار کے بعد بھی ان شخصیات کے بابت معلومات میسر نہیں آتی۔ایسی مقامی شخصیات کا ذکر مولانا کے کلام میں بہت زیادہ ہے ان کے کلام سے اخذ کردہ چند ایسی تلمیحات ملاحظہ ہوں:

کچھ بھی ڈر ملّتِ بیضا کو فنا کا نہ رہا
لے کے پیغامِ بقا نعشِ شہید آتی ہے[(۲۳)]

مذکورہ نظم میں اشارہ مجلسِ احرار چنیوٹ کے لیڈر شیخ الٰہی بخش شہید کی جانب ہے۔یہ واقعہ ۱۹۳۱ء کا ہے جس وقت وہ تحریکِ احرار کے رہنما مولانا اظہر علی کی رہنمائی میں مہاراجا کشمیر کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں شریک تھے اس تحریک کا حصّہ بننے کے لیے پنجاب کے اطراف و جوار سے کئی حریتی دستیاں بائیکاٹ میں شریک ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔چنیوٹ سے آئے ایک قافلے کی قیادت شیخ الٰہی بخش کے ذمے تھی۔دریائے جہلم

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے کنارے ان کی ساتھیوں سمیت ریاستی پولیس سے زبردست جھڑپ ہوئی جس میں ''یکم نومبر ۱۹۳۱ء''(۲۴) کو انھوں نے شہادت نوش کی۔ جانباز مرزا نے ان کی شہادت کے بارے میں لکھا کہ ''کسی غیر کشمیری مسلمان کا کشمیر کی سرزمین پر یہ پہلا خون تھا۔''(۲۵) مولانا ظفرعلی خان نے ان کی جدوجہدِ آزادی کے لیے اپنی جان نذر کرنے پر مذکورہ نظم تحریر کی۔ اسی تحریک میں شریک ایک اور شخصیت کا ذکر بھی مولانا کے اشعار میں ملتا ہے:

سیالکوٹ میں باندھے ہوئے کفن سر سے نظر ہر ایک مسلمان سرخ پوش آیا
ہزار سلطنتیں صدقے اس مجاہد کے غزا کے واسطے جو عاقبت بدوش آیا(۲۶)

میرا ں بخش شہید جو سیالکوٹ کی جانب سے احراری دستے کی قیادت کر رہے تھے ڈوگرہ فوج نے انھیں ہری سنگھ کا نعرہ لگانے کو کہا لیکن انکار پر گولیوں اور لاٹھیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی اس واقعہ میں میرا بخش نے ''۹ر نومبر ۱۹۳۱ء''(۲۷) کو وفات پائی۔ اخبارات میں اس واقعے پر شدید احتجاج کرتے ہوئے لاہور کے عوام سے ''میرا ں بخش ڈے'' منانے کی اپیل کی گئی۔ اس واقعے پر بھی مولانا ظفرعلی خان نے ایک بھرپور نظم تحریر کی۔ اسی تحریک کا ایک اہم کردار مجلسِ احرار کے رہنما حسام الدین شیخ بھی رہے جن کی سربراہی میں یہ تحریک آگے بڑھ رہی تھی۔ جس وقت حسام الدین سیالکوٹ میں اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی جانب سے ''۶ر نومبر ۱۹۳۱ء کو ۱۴ روز کے لیے کسی بھی جلسے میں تقریر نہ کرنے کا حکم نامہ جاری کیا گیا تھا''(۲۸) مولانا ظفرعلی خان نے اس واقعے پر مذکورہ شعر تحریر کیا:

کھلے دروازۂ آزادئ کامل کے دونوں پٹ
حسام الدین کو جس دن ملا حکمِ زباں بندی(۲۹)

حسام الدین نے حکومتی حکم نامے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے چار جلسوں میں تقاریر کیں۔ ''۹ نومبر ۱۹۳۱ء کو انھیں اس جرم کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔''(۳۰) مولانا نے مذکورہ واقعے کو شعری پیرائے میں بیان کیا ہے۔ مولانا ظفرعلی خان کے یہاں کوئی عام عصری واقعہ بھی بیان ہونے سے نہیں رہ گیا۔ انھوں نے تحریک پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ میں پیشتر معروف اور غیر معروف قومی اور بین الاقوامی واقعات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ اسی نوعیت کا ایک یہ شعر ملاحظہ ہو

بھگا لے گئے ہندوؤں کو پٹھان بحکمِ جنابِ فقیر ''اپی''
جب اے پی کی یہ خانہ ساز اطلاع ''ٹریبیون'' کے کالموں میں چھپی(۳۱)

مذکورہ شعر میں طور قبیلے کی ایک افغانی سیاسی شخصیت فقیر اپی بن ارسلہ خان (وفات: ۱۹۶۱ء) کا برطانوی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

افواج کے ساتھ جنگی شورشوں کا ذکر ہے۔طوری قبیلے کے اس سردار نے وزیرستان میں برطانوی افواج کے خلاف کھلا محاذِ جنگ قائم کیا۔ اور ان کے لیے ایک طویل عرصے تک دردسر بنے رہے۔فقیر اپی کا کردار ہمیں ۱۹۳۶ء کے بعد نظر آتا ہے جب وہ وزیرستان ریاست میں ہندوؤں اور انگریزوں سے برسرپیکار رہے۔ اسی ہندو مسلم کشیدگی کے باعث جواہرلال نہرو نے ایک سلسلہ مضامین شائع کیا جس میں فقیر اپی کی جماعت کی جانب سے کیے جانے جانے والے حملوں، بمباری اور اغوا کی مذمت کی جاتی تھی۔ ''ٹریبیون'' (Tribune) ہندوستانی اخبار تھا جو بیک وقت ہندوستان کے بڑے شہروں سے نکلتا تھا۔مذکورہ تلمیح میں انھی واقعات کی جانب اشارہ ہے۔اگلے شعر میں ظفر علی خان کا ایک اور اندازِ تلمیح ملاحظہ ہو:

گردواروں پر مہنتوں کا تسلط ہوگیا
خانہ نانک، نرائن داس کا بت خانہ ہے(۳۲)

مذکورہ شعر میں ۲۰ر فروری ۱۹۲۱ء کو پیش آنے والے واقعے کی جانب اشارہ ہے۔اس واقعے میں ہندو مہنت نرائن داس کے حکم پر سکھوں کا قتل عام کیا گیا۔نرائن داس اس وقت ننکانہ صاحب میں گردواروں کے نظم و نسق اور انتظامی امور معمور تھا، اس کی غیر اخلاقی سرگرمیوں پر سکھ برادری کی جانب سے کیے جانے والے احتجاج کو روکنے کے لیے ''مہنت نرائن داس، مسٹر کری (ڈپٹی کمشنر) اور مسٹر کنگ (کمشنر لاہور) کی ملی بھگت سے گردواروں پر حملہ کیا گیا''(۳۳) جس کے نتیجے میں ننکانہ صاحب کی زمین سکھوں کے خون سے سرخ ہوگئی۔مولانا ظفر علی خان نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا:

کٹے ہیں جس قدر سر کنگ سر کے گردوارے میں
ہے درج ان سب کی قربانی جزا کے گوشوارے میں(۳۴)

اخبارات میں اسے جلیاں والا واقعے کے بعد دوسرا خونی واقعہ قرار دیا گیا۔ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

کٹ مری سکھوں کی قوم اپنے گروں کے نام پر
تو بھی مسلم اپنی جان اپنے نبیؐ پر وار دیکھ(۳۵)

اُسی دور کا ایک اور مشہور واقعہ جس کا ذکر بطور تلمیح مولانا ظفر علی خان کے کلام میں ملتا ہے۔

ممتاز نے چھنوائی تھی اندور کی گدی
اب دیکھیے سوغات ملر لائی ہے کیا اور(۳۶)

مذکورہ شعر میں ریاستِ اِندور کے تیرھویں راجا اور ممتاز بیگم(۳۷) کے واقعے کی جانب اشارہ ہے یہ واقعہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۹۲۵ء کو پیش آیا۔ ریاست کے راجا اندور کو اس واقعے کے بعد اپنے عہدے سے معزول ہونا پڑا۔ نینسی این ملر ان کی امریکن نژاد زوجہ تھیں۔ ہندو مذہب قبول کرنے کے بعد ان کا نام مہارانی شری منت اخوندسو بھا گیاوتی شری مشتا دیوی بائی رکھا گیا۔"(۳۸) یہ شعر ۱۹۲۸ء میں مس ملر کے راجا اندور سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے پر کہے گئے۔ اسی طرح کا ایک اور مشہور واقعہ جو مولانا ظفر علی خان کے قلم کی زد سے بچ نہیں سکا۔ ملاحظہ ہو:

اک سر پھرے انگریز نے جب برسرِ اجلاس لگوائے پیادوں سے مہابیر کو چانٹے
اتنا بھی نہ بٹلر کی حکومت سے بن آیا اس اپنے نمائندۂ انصاف کو ڈانٹے(۳۹)

یہاں اشارہ مشہور انقلابی رہنما اور شاعر مہابیر تیاگی (Mahavir Tyagi) (۱۹۸۰ء۔۱۸۹۹ء) اور اس دور کے انگریز گورنر اسپنسر بٹلر ہارکورٹ (Spencer Butler Harcourt) (۱۹۳۸ء۔ ۱۸۶۹ء) کی جانب ہے۔"۱۹۲۱ء میں جب انھیں بلند شہر (اتر پردیش) میں حکومت کے خلاف بغاوت کے جرم میں گرفتار کیا گیا تو بلند شہر کے انگریز مجسٹریٹ W. E. J. Dobbs نے انھیں سرِ عام طمانچے لگوائے اور دو سال قید کا حکم نامہ جاری کیا۔"(۴۰) مہابیر تیاگی نے اس واقعے کا اظہار اپنے ایک شعر میں اس انداز میں کیا:

مجھ سے بڑھ کر کے بھی ہوگی نہ اہنسا کی مثال
مار کھا کر بھی تو ہرگز میں پریشاں نہ ہوا

مولانا ظفر علی خان کی ذات میں ہمیشہ اسلامی وقومی روح رواں دواں رہی ہے جس کا اظہار وہ جا بجا اپنے کلام میں کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ انگریز سامراجی قوتوں اور عسکری طاقتوں کے خلاف نا صرف عملی طور پر برسر پیکار رہے بلکہ قلمی جہاد سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جہاں کہیں ایسی شخصیات کا نام آتا جو ان سامراجی قوتوں کے خلاف سپر آزما رہیں ان کا ذکر اپنے کلام میں کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ جیسے یہ شعر ملاحظہ ہو:

اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہے تو آج کل سب سے بڑا غازیٔ اسلام ہے تو
تیری ہیبت سے ہوا لرزہ بر اندام فرانس اِس کی سطوت کے لیے موت کا پیغام ہے تو(۴۱)

اشارہ مراکشی رہنما اور حریّت پسند لیڈر عبدالکریم ریفی (۱۹۶۳ء۔۱۸۸۲ء) کی جانب ہے۔ انیسویں صدی کے تیسرے عشرے کی باثر اور اہم شخصیات میں ان کا نام لیا جاتا ہے۔ اہلِ مراکش نے ان کی قیادت میں اسپین اور فرانس کی طاغوتی قوتوں کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز کیا جسے تاریخ میں جنگِ ریف (۱۹۲۱ء۔۱۹۲۶ء) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے ان کی قوم وملّت کے لیے خدمات، جدوجہد اور کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اسی طرح صرف اسلامی نہیں قومی لحاظ سے جہاں کہیں بھی ایسی شخصیات کا ذکر ملتا ہے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جنھوں نے قومی سطح پر ملک اور قوم کے لیے خدمات سرانجام دیں مولانا ان کا ذکر اپنے کلام میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بین الاقوامی واقعات کے ضمن میں ان کا ایک اور اندازِ نگارش ملاحظہ ہو:

دی کسی کو حق نے ذلّت اور بنایا مالوی
بخش کر عزّت کسی کو ڈی و لیرا کردیا(۴۲)

مذکورہ شعر، آئرلینڈ کی ۱۹۳۲ء میں ایک خود مختار ریاست میں تبدیل ہونے اور ڈی و لیرا ایمون (۱۹۷۵ء۔۱۸۸۲ء) کے اپنی عوام کے لیے کی جانے والی جدوجہد اور کوششوں سے متاثر ہو کر تحریر کیا گیا:

لاش مہدی کی جلا دی واہ کیا تہذیب ہے
پھر ہوا میں راکھ اڑا دی واہ کیا تہذیب ہے(۴۳)

مذکورہ شعر میں برطانوی فوج کے مارشل ہوریشو ہربرٹ کچنر (Horatio Herbert Kitchener) (۱۹۱۶ء۔۱۸۵۰ء) کے سوڈان کی سیاسی و مذہبی شخصیت مہدی سوڈانی (۱۸۸۵ء۔۱۸۴۴ء) کی نعش کے ساتھ بے حرمتی اور نفرت آمیز رویے کی جانب اشارہ دیا ہے۔ مہدی سوڈانی نے انگریز اور مصری حکومت کے خلاف اپنے علاقوں کی بازیابی کے لیے عملی جہاد کرتے ہوئے'' ۲۹ جنوری ۱۸۸۵ء کو اپنے جانثاروں کے ساتھ خرطوم پر قبضہ کیا۔ مہدی سوڈانی کی ان سرگرمیوں کو کچلنے کے لیے برطانیہ نے ہربرٹ کچنر کو ام درمان بھیجا تا کہ ان علاقوں پر دوبارہ قبضہ کیا جاسکے، ایک عرصے تک وہاں بھرپور محاذ قائم رہا۔ مہدی سوڈانی کے انتقال کے بعد جب ہربرٹ کچنر نے امِ درمان پر قبضہ کیا تو انتقامی کاروائی کرتے ہوئے نہ صرف مقبرے پر گولہ باری کی کی بلکہ ان کی قبر کھدوا کر نعش سے جنرل گارڈن کے خون کا انتقام لیا۔''(۴۴) مولانا ظفر علی خان کے کلام سے ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

سامنے آ گئی سرکار کے مس میو کی روح
نکل آیا یہ گزٹ شملہ کی الماری سے(۴۵)

امریکی تاریخ دان مس کیتھرین میو(Katherine mayo) نے ۱۹۲۷ء میں نیویارک سے ایک کتاب مادرِ ہند (Mother India) تحریر کی جس میں ہندوستانی ثقافت بالخصوص ہندووانہ رسموں پر کھل کر اظہار کیا گیا تھا۔ کانگریس نے اس کتاب کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اسے ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈہ قرار دیا۔ روزنامہ ''زمیندار'' میں اس واقعے پر اس انداز میں خامہ فرسائی کی گئی۔

مسز سروجنی نائیڈو کو امریکا کی طرف سے دعوت دی گئی ہے تا کہ وہ مختلف مقامات پر تقریر کر کے اس زہریلے پروپیگنڈے کا ازالہ کریں جو مس میو نے کتاب مادر ہند لکھ کر پھیلایا ہے۔(۴۶)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اس کتاب کو ہندوستان کے علاوہ بھی دنیا بھر میں غیر معمولی شہرت حاصل رہی۔ چار سال کے قلیل عرصے میں ۳۳ بار اس کی اشاعت ہوئی۔ مولانا ظفر علی خان نے شعر میں اسی جانب اشارہ دیا ہے۔ اسی طرز پر مولانا ظفر علی خان کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو جس میں اس عہد کی پانچ ریاستوں کے حکمرانوں کا سلطنت عثمانیہ کے خلاف اتحادی (alliance) محاذ بنائے جانے کی جانب اشارہ ہے۔

زار قیصر جوزف اور وکٹر سے کیوں ملتے ہیں جارج
چار بدمستو ں میں کیوں اک ہوشیار آنے کو ہے (۴۷)

مذکورہ شعر میں پرشیا کے آخری فرماں روا شہنشاہ (زار) نکولس دوم (Czar Nikolai II) (۱۹۱۸ء۔ ۱۸۶۸ء)، شاہ آسٹریا فرانسس جوزف اوّل (Francis Joseph) (۱۹۱۶ء۔ ۱۸۳۰ء)، قیصرِ جرمنی فریڈرک ولیم البرٹ وکٹر (Friedrich Wilhelm Albert Victor)، (۱۹۴۱ء۔ ۱۸۵۹ء) اطالیہ کے بادشاہ وکٹر ایمانوئل سوم (Victor Emmanuel III) (۱۹۴۷ء۔ ۱۸۶۹ء) اور شہنشاہِ برطانیہ و وائسرائے ہند جارج فریڈرک ارنسٹ البرٹ (George Frederick Ernest Albert) (۱۹۳۶ء۔ ۱۸۶۵ء) کا ذکر کیا گیا ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ کیے گئے اتحادی ممالک کے معاہدہ سیورا ے پر مولانا نے ایک اور مقام پر یوں اظہارِ خیال کیا:

قدیم وضع پر اندازۂ جہاں نہ رہا — مکیں رہے مگر ان کا کہیں مکاں نہ رہا
زمین پاؤں تلے سے نکلتی جاتی ہے — سروں پہ سایہ فگن تھا جو آسماں نہ رہا
یہ کہہ رہے ہیں نصاریٰ کہ آج دنیا میں — کہیں بھی سطوتِ اسلام کا نشاں نہ رہا
زوالِ دولتِ عثماں پہ خوش نہ کیوں ہو رقیب — کہ اک حجاب جو حائل تھا درمیاں نہ رہا (۴۸)

مولانا کے کلام میں عصری تلمیحات کا ایک بے بہا خزانہ ہے جو ان کے کلام میں ملتا ہے۔ اپنی ایک نظم کنارِ اٹک پر رندانِ لم یزل کی سرمستیاں میں مولانا نے بذاتِ خود متعدد تلمیحات کی نشاندہی کی ہے۔ (دیکھیے ''بہارستان''، ص ۱۲۶) اس ضمن میں بالخصوص دو مجموعے ''نگارستان'' اور ''چمنستان'' میں ایسا کلام موجود ہے جو کسی نہ کسی واقعے یا سانحے سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ اس دور کے تناظر میں مولانا کی شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے کلام میں اس دور کی 'منظوم تاریخ' رقم کی ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے ہر واقعے کو منظوم انداز دے کر مع سنین کلام میں محفوظ کرلیا ہے۔ گو کہ اس سے شاعرانہ لطافت قدرے کم ہو جاتی ہے لیکن تحقیق کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس دور میں واحد مولانا ظفر علی خان کا کلام سیاسی نقطۂ نظر سے اس دور کے عہد کی تاریخ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عہد بہ عہد رقم کرتا ہے۔جتنی تحریکوں (قومی و بین الاقوامی) کا ذکر مولانا ظفرعلی خان نے اپنی شاعری میں کیا ہے اس دور کے شعرا کے یہاں اتنی شد و مد کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ملتا۔ بعض ایسے عصری و مقامی واقعات رہے جن کو بطور تلمیح شعرا نے اپنے کلام میں جگہ نہیں دی لیکن مولانا کے یہاں نہ صرف ان واقعات پر اشعار بھی موجود ہیں بلکہ باقاعدہ نظمیں تحریر کی گئی ہیں۔ مسجد شہید گنج کی شہادت کے واقعے پر مولانا ظفرعلی خان نے مسجد شہید گنج کی شہادت (چمنستان، ص۱۶)، مسجد شہید گنج کی پکار (چمنستان، ص ۱۳)، شہید گنج کا مقام (چمنستان، ص ۵۲) جیسی نظمیں لکھیں۔ یہ واقعہ بھی اس دور کا مشہور واقعہ رہا، جولائی ۱۹۳۵ء میں اس کا کچھ حصہ گرائے جانے پر مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان شدید ترین اختلافات نے جنم لیا۔ ۱۹۳۷ء میں مسجد شہید گنج کا مقدمہ ہائی کورٹ کے فل بینچ کے روبرو پیش کیا گیا جس کا فیصلہ مسلمانوں کے خلاف ہوا اور مسجد واگزار نہ کروائی جا سکی۔ اس وقت کے اخبارات نے اس واقعہ کو شہ سرخیوں میں جگہ دی۔ مولانا نے بھی اس واقعے کی شدت سے متاثر ہوکر کئی نظمیں اور مضامین تحریر کیے۔ اسی طرح کا ایک مقامی واقعہ مسجد منزل گاہ سکھر پر بھی پیش آیا جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تکرار قضیے کا باعث بنی۔ مولانا ظفرعلی خان نے اس پر مذکورہ نظم بعنوان ''مسجد منزل گاہ سکھر'' کہی، اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

غیر کی تحویل میں مسجد ہے منزل گاہ کی — قبضۂ طاغوت میں ہے جائیداد اللہ کی
یوں پڑا ہوتا نہ تالا گھر میں ربِ کعبہ کے — حکمرانی سندھ میں ہوتی گر آصف جاہ کی
اے مسلمانو! نشاں معصوم[۴۹] کا مٹنے نہ دو — تا کہ ہو آسودہ روح اس مردِ حق آگاہ کی[۵۰]

ایک اور شعر دیکھیے:

یار سے چھینا ہے برار اور جب کیا عذر اس نے پیش
جنگ کی دھمکی سنادی واہ کیا تہذیب ہے[۵۱]

برار نظامِ دکن سلطنت کا سب سے زرخیز علاقہ تھا جو ۱۹۰۲ء میں میر محبوب علی خان (۱۹۱۱ء۔۱۸۶۶ء) نے ایک معاہدے میں لارڈ کرزن (۱۹۲۵ء۔۱۸۵۹ء) کے ساتھ انگریز حکومت کی تحویل میں دے دیا جو بعد میں برطانوی مقبوضات کا حصہ قرار پایا۔ ''عہدنامہ'' اکتوبر ۱۸۰۰ء کے مطابق نظامِ دکن اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ ایک مستقل فوج تیار کی جائے جو انگریز حکومت کی دیگر فریقین سے جنگوں کے دوران مدد اور تعاون کرے گی، اس وقت لارڈ ہنری رسل نے اس فوج کو مستقل کرتے ہوئے اس کے اخراجات خزانہ ریاست سے ادا کرنے کا معاہدہ لیا۔ انیسویں صدی کے وسط تک یہ فوج بڑھتے بڑھتے نو ہزار

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سے تجاوز کر گئی اس فوج کے اخراجات اور تنخواہوں کی عدم ادائیگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست نظامِ دکن ۱۸۵۰ء تک برٹش گورنمنٹ کی ۷۲ لاکھ تک مقروض ہو گئی۔''[۵۲] اس وقت کے گورنر جنرل انڈیا لارڈ ڈلہوزی (۱۸۶۰ء۔۱۸۱۲ء) نے یہ عندیہ دیا کہ اگر ریاست فوج کی تنخواہیں ادا کرنے سے قاصر رہی تو یہ علاقہ برٹش گورنمنٹ کا حصہ قرار پائے گا۔ بالآخر محبوب علی خان نظام دکن کے دور میں یہ زرخیز علاقہ برطانوی حکومت کی مقبوضات میں شامل ہو گیا جس کا ذکر مندرجہ بالا شعر میں کیا گیا ہے۔ اسی واقعے پر مولانا ظفر علی خان نے ایک نظم 'واپسی برار' (بہارستان، ص ۱۹۷) بھی تحریر کی۔

ماحصلِ کلام

مولانا کا کلام ایسا گُل دستہ ہائے رنگ رنگ ہے جس میں صحافت کی گہما گہمی بھی ملتی ہے اور تاریخی شواہد کی حقیقت بھی۔ ان کے کلام نے صحافت و سیاست کے جس حسین امتزاج سے جنم لیا ہے اس میں شعری لطافت اور کلام کی چاشنی یقیناً کم نظر آتی ہے لیکن اپنے عہد کے واقعات کو رقم کرنے اور اسے محفوظ کرنے کے حوالے سے یقیناً مولانا کا کلام اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ مولانا کے کلام کو اس لیے بھی کم پذیرائی حاصل رہی کے ان کے کلام اور اس کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان کا دور چوں کہ ایک نظریاتی اور تحریکی دور رہا، لہٰذا اس کے اثرات ان کی شخصیت پر بھی مرتب ہوئے۔ انھی خارجی عوامل اور باطنی تاثرات سے جو شاعری وجود میں آئی وہ ان کے فکری شعور کی غمازی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کی تصویر کشی کے لیے قلم کا سہارا لیا اور منظوم اداریوں کی صورت میں اپنے خیالات کو سپردِ قلم و قرطاس کرتے چلے گئے۔ یہی انداز آج بھی ان کی پہچان ہے۔

حواشی

۱۔ لوئیس معلوف، ''المنجد''، مترجم مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۹ء)، ص ۸۰۳

۲۔ مولوی سید تصدق حسین رضوی، ''لغاتِ کشوری''، (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۵۲ء)، ص ۱۱۰

۳۔ اکبر علی نفیسی، ''فرہنگِ نفیسی''، (تہران: کتاب فروشی خیام، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۳۵۵

۴۔ علی اکبر دہخدا، ''لغت نامہ دہخدا''، مرتبین سیّد جعفر شہیدی، محمد معین، جلد ۵، (تہران: دانش گاہ تہران، ۱۹۹۸ء)، ص ۷۶۹۴، جدید اشاعت

۵۔ ڈاکٹر عابد خورشید، ''تلمیحاتِ راشد''، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۴

۶۔ پروفیسر انور جمال، ''ادبی اصطلاحات''، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۴ء)، ص ۸۲

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۷۔ سلیم اختر، ''تنقیدی اصطلاحات''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء)،ص ۹۵
۸۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ، ''اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب''، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،۲۰۰۲ء)،ص ۲۹
۹۔ ڈاکٹر مزمل حسین، ''اردو میں بیان اور علمِ بدیع کے مسائل''، (لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۱۰ء)،ص ۱۷۷
۱۰۔ مولانا ظفر علی خان، مجموعہ ''بہارستان'' مشمولہ ''کلیاتِ ظفر علی خان''، مرتبہ زاہد علی خان، (لاہور: الفیصل پبلشرز،۲۰۱۱ء)،ص ۱۵۶
۱۱۔ پروفیسر محمد اسلم، ''تحریکِ پاکستان''، (لاہور: ریاض برادرز، ۱۹۹۳ء)،ص ۱۹۶، بار دوم
۱۲۔ خواجہ سے مراد یہاں خواجہ حسن نظامی ہیں۔
۱۳۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۴۹
۱۴۔ ایضاً،ص ۳۴۹
۱۵۔ ایضاً،ص ۲۴۹
۱۶۔ ایضاً، مجموعہ ''نگارستان'' مشمولہ ''کلیاتِ ظفر علی خان''، مرتبہ زاہد علی خان، (لاہور: الفیصل پبلشرز،۲۰۱۱ء)،ص ۵۱
۱۷۔ آگسٹو آبری اس وقت اطالوی بحریہ میں وائس ایڈمرل کے عہدے پر فائز تھا۔
۱۸۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۱۷۳
۱۹۔ ایضاً،ص ۴۸۹
۲۰۔ https://www.britannica.com/topic/Thomson-Reuters
۲۱۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۱۰۹
۲۲۔ ''اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۷، (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی،۱۹۷۱ء)،ص ۳۶۸
۲۳۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۱۷
۲۴۔ روزنامہ ''زمیندار''، ۳/نومبر ۱۹۳۱ء، جلد ۱
۲۵۔ جانباز مرزا، ''کاروانِ احرار''، (لاہور: مکتبہ تبصرہ،۱۹۷۵ء)،ص ۲۱۰
۲۶۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۲۷
۲۷۔ روزنامہ ''انقلاب''، ۱۱/نومبر ۱۹۳۱ء، جلد ۶
۲۸۔ روزنامہ ''زمیندار''، ۹۔۸/نومبر ۱۹۳۱ء، جلد ۱
۲۹۔ مولانا ظفر علی خان، ''نگارستان''، ص ۱۰۳
۳۰۔ روزنامہ ''زمیندار''، ۱۳/نومبر ۱۹۳۱ء، جلد ۱
۳۱۔ مولانا ظفر علی خان، ''چمنستان'' مشمولہ ''کلیاتِ ظفر علی خان''، مرتبہ زاہد علی خان، (لاہور: الفیصل پبلشرز،۲۰۱۱ء)،ص ۷۵
۳۲۔ ایضاً، ''حبسیات''، ص ۱۳۸
۳۳۔ مزید دیکھیے: محمد اعظم چودھری، تاریخ پنجاب، (لاہور: فکشن ہاؤس،۲۰۱۸ء)،ص ۵۴۰
۳۴۔ مولانا ظفر علی خان، ''حبسیات'' مشمولہ ''کلیاتِ ظفر علی خان''، مرتبہ زاہد علی خان، (لاہور: الفیصل پبلشرز،۲۰۱۱ء)،ص ۱۳۹
۳۵۔ ایضاً،ص ۱۴۱
۳۶۔ ایضاً، ''بہارستان''، ص ۵۲۲
۳۷۔ ممتاز بیگم راجا اندور کے حرم کی کنیزِ خاص تھی۔ بمبئی کے تاجر عبدالقادر باؤلہ قتل کیس میں راجا اندور کے ساتھ اس کا نام بھی شامل رہا۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مقتول کے ورثا کی جانب سے اس کیس کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمات لی گئی تھیں۔اس واقعے کے بعد راجا اندور کو اپنے عہدے سے معزول ہونا پڑا۔۱۹۲۶ء میں وہ اپنے بیٹے کے حق میں اس عہدے سے دست بردار ہو گئے۔

۳۸۔ https://www.royalark.net/India/indore5.htm

۳۹۔ مولانا ظفر علی خان، ''حبسیات''، ص ۶۸

۴۰۔ لائن ایم جی اگروال (Lion M. G. Agrawal)، *Freedom Fighter of India*، جلد ۳، (دہلی: ایشا بک، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۴۰

۴۱۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۲۵۶

۴۲۔ ایضاً، ''چمنستان''، ص ۲۷

۴۳۔ ایضاً، ''حبسیات''، ص ۱۱۴

۴۴۔ https://www.findagrave.com/memorial/9506208/muhammad-ahmed

۴۵۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۳۱۴

۴۶۔ روزنامہ ''زمیندار''، شمارہ ۱۰، ۱۵ر جنوری ۱۹۲۸ء

۴۷۔ مولانا ظفر علی خان، ''بہارستان''، ص ۵۲

۴۸۔ ایضاً، ''حبسیات''، ص ۳۲

۴۹۔ سیّد نظام الدین معصوم نامی بکھری سندھ کے مشہور عالم اور مؤرّخ تھے۔ان کا زمانہ مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر اور جہانگیر کا زمانہ ہے۔انھوں نے عبدالرحیم خانِ خاناں کی سرکردگی میں سندھ کے مغربی علاقوں کو فتح کیا۔انھیں فنِ تعمیرات سے خاص لگاؤ تھا، ان کی تعمیر کردہ عمارات آج بھی سندھ بالخصوص سکھر اور اس کے قرب وجوار میں موجود ہیں۔انھوں نے ''تاریخِ معصومی'' کے عنوان سے سندھ کی تاریخ مرتب کی۔

۵۰۔ مولانا ظفر علی خان، ''چمنستان''، ص ۱۶۳

۵۱۔ ایضاً، ''حبسیات''، ص ۱۱۵

۵۲۔ شروانی بلونوی، ''برار'' مشمولہ ''تحریکِ آزادی کے چالیس سال، ہندوستانی سیاسیات ۱۹۰۳ء۔ ۱۹۴۲ء میں''، حصہ دوم، (پٹنہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۴ء)، ص ۳۱۷

مآخذ

۱۔ اختر، سلیم، ''تنقیدی اصطلاحات''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء

۲۔ اسلم، محمد، پروفیسر، ''تحریکِ پاکستان''، لاہور: ریاض برادرز، ۱۹۹۳ء، باردوم

۳۔ اگروال، لائن ایم جی (Agrawal, Lion M. G.)، *Freedom Fighter of India*، جلد ۳، دہلی: ایشا بک، ۲۰۰۸ء

۴۔ بلونوی، شروانی، برار، مشمولہ ''تحریکِ آزادی کے چالیس سال، ہندوستانی سیاسیات ۱۹۰۳ء۔ ۱۹۴۲ء میں''، حصہ دوم، پٹنہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۴ء

۵۔ جمال، انور، پروفیسر، ''ادبی اصطلاحات''، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۴ء

۶۔ چودھری، محمد اعظم، ''تاریخ پنجاب''، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۸ء

۷۔ حسین، مزمل، ڈاکٹر، ''اردو میں بیان اور علمِ بدیع کے مسائل''، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۲۰۱۰ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۸۔ خان، ظفر علی، مولانا، ''بہارستان'' مشمولہ ''کلیاتِ ظفر علی خان''، مرتبہ زاہد علی خان، لاہور: الفیصل پبلشرز، ۲۰۱۱ء
۹۔ ـــــ، ''نگارستان''، ـــــ، ـــــ، ـــــ
۱۰۔ ـــــ، ''چمنستان''، ـــــ، ـــــ، ـــــ
۱۱۔ ـــــ، ''حبسیات''، ـــــ، ـــــ، ـــــ
۱۲۔ خورشید، عابد، ڈاکٹر، ''تلمیحاتِ راشد''، کراچی: انجمنِ ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۹ء
۱۳۔ رضوی، سیّد تصدق حسین، مولوی، ''لغاتِ کشوری''، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۵۲ء
۱۴۔ مرزا، جانباز، ''کاروانِ احرار''، لاہور: مکتبہ تبصرہ، ۱۹۷۵ء
۱۵۔ نارنگ، گوپی چند، پروفیسر، ''اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب''، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۲ء

لغات

۱۔ دہخدا، علی اکبر، ''لغت نامہ دہخدا''، مرتبین سیّد جعفر شہیدی، محمد معین، جلد ۵، تہران: دانش گاہ تہران، ۱۹۹۸ء، جدید اشاعت
۲۔ رضوی، تصدق حسین، مولوی سیّد، ''لغاتِ کشوری''، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۵۲ء
۳۔ معلوف، لوئیس، ''المنجد''، مترجم مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۹ء
۴۔ نفیسی، اکبر علی، ''فرہنگِ نفیسی''، تہران: کتاب فروشی خیام، ۱۹۷۷ء

اخبارات

۱۔ روزنامہ ''انقلاب''، لاہور، شمارہ ۱۱، جلد ۶، نومبر ۱۹۳۱ء
۲۔ روزنامہ ''زمیندار''، شمارہ ۱۰، ۱۵/ جنوری ۱۹۲۸ء
۳۔ روزنامہ ''زمیندار''، لاہور، شمارہ ۳، جلد ا، نومبر ۱۹۳۱ء
۴۔ ـــــ، شمارہ ۹۔۸، جلد ا، نومبر ۱۹۳۱ء
۵۔ ـــــ، جلد ا، ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء

دائرۃ المعارف

۱۔ ''اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۷، لاہور: دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۷۱ء

ویب سائٹس

1. https://www.britannica.com/topic/thomson-reuters
2. https://www.royalark.net/India/indore5.htm
3. https://www.findagrave.com/memorial/9506208/muhammad-ahmed